مال میں خبث کی قسمیں

اسباب واحکام

تحریر

مفتی عبید الرحمان صاحب

رئیس دار الافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دار التقویٰ، مردان

مال میں خبث کی قسمیں اسباب واحکام

باعثِ تحریر

ایک سچے مسلمان کے لئے اگر کوئی چیز زیادہ اہمیت کی مستحق ہے تو وہ شرعی احکام کی پابندی ہے، اگر کوئی چیز ایسی ہے جو مسلمان کے غیر معمولی توجہ واہتمام کی متقاضی ہے اور اس پر نگاہ توجہ جمائے رکھنا ضروری ہے تو وہ یہی ہے کہ شریعت نے متاعِ زندگی صرف کرنے کے لئے جو میدان کار مقرر فرمایا ہے، اس سے سرِ مو تجاوز وانحراف نہ ہو، حرام اور ناجائز چیزوں کے جو حدود وسرحدات متعین فرمائے ہیں، ان کے قریب نہ جانے پائے۔ اس کے لئے کسی چیز سے رکنے کا بڑا باعث یہی ہونا چاہئے وہ شرعاً ناجائز یا ممنوع ہے۔ اس لئے اگر کسی معاملہ کے متعلق اس کو علم ہو جائے کہ شریعت کی نگاہ بصیرت میں وہ جائز نہیں ہے تو بس یہی بات اس کے رکنے کے لئے کافی ہے، اس سے آگے اس بحث کی کوئی خاص ضرورت پیش نہیں آنی چاہئے کہ اس کی اجرت / عوض حلال ہے یا حرام وخبیث؟

لیکن دینی حس کی حد درجہ کمزوری، دینی احکام سے ناواقفیت اور مالی معاملات کی غیر معمولی وسعت اور پیچیدگی وغیرہ عناصر کی وجہ سے اس بات کی بکثرت ضرورت پیش آتی ہے کہ فلاں کام کی اجرت حلال ہے یا نہیں؟ اس کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ ان سطور میں اسی مسئلہ سے متعلق چند فقہی معروضات پیش کئے جاتے ہیں۔

نفع خبیث ہونے کے بنیادی اسباب

کسی چیز کا نفع / عوض حرام ہونے یا خبیث ہونے کے بنیادی طور پر دو اسباب ہیں:

الف: مالک کی رضامندی نہ ہو۔

ب: مالک تو راضی ہو لیکن لین دین کا طریقہ شریعت کی نظر میں درست نہ ہو۔

پہلے سبب میں خبث کی دلیل

پہلے سبب کی وجہ سے نفع خبیث ہونے کی بنیادی وجہ وہ نصوص ہیں جن میں مسلمان کے مال محفوظ ہونے کی تعلیم دی گئی ہے اور اس کی رضامندی کے بغیر استعمال کرنے کی ممانعت و مذمت فرمائی گئی ہے، مثال کے طور پر ایک روایت میں ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسِهِ[1]»

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی نقل ہے کہ: کسی مسلمان کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں"۔

---

[1] سنن الدارقطني، كتاب البيوع، رقم الحديث: ٢٨٨٥ ، ج٣ص ٤٢٤

دوسرے سبب میں خبث کی دلیل

اس دوسرے سبب کی وجہ سے نفع حرام ہونے کی بنیادی اور واضح دلیل وہ نصوص ہیں جن میں حرام وممنوع چیزوں کے عوض لینے کو حرام قرار دیا گیا ہے، مثال کے طور ایک روایت میں ہے:

عَنْ بَرَكَةَ بْنِ الْعُرْيَانِ الْمُجَاشِعِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يُحَدِّثُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ، حُرِّمَتْ عَلَيْهِمِ الشُّحُومُ، فَبَاعُوهَا وَأَكَلُوا أَثْمَانَهَا، وَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا حَرَّمَ أَكْلَ شَيْءٍ، حَرَّمَ ثَمَنَهُ[1]"

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی نقل ہے کہ: اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت بھیجے ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا کھانا حرام قرار دیتے ہیں تو (فروخت کرنے کی صورت میں) اس کی قیمت بھی حرام قرار دیتے ہیں"۔

"مسند احمد" ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کیسان اس کی تجارت کرتا تھا، اس کی غیر موجودگی میں حرمت کا حکم نازل ہوا، وہ تجارت کی غرض سے شام سے عمدہ شراب کے بھرے مٹکے لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوا، آکر حضور ﷺ کو اطلاع دیدی، حضور ﷺ نے فرمایا:

---

[1] مسند أحمد ط الرسالة ،مسند عبدالله بن عباس ،رقم الحديث: ٢٦٧٨ ،ج٤ص ٤١٦

" يَا كَيْسَـانُ، إِنَّهَا قَدْ حُرِّمَتْ بَعْدَكَ " قَالَ: أَفَأَبِيعُهَا يَا رَسُـولَ اللهِ؟ فَقَالَ رَسُـولُ اللهِ صَـلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّمَ: " إِنَّهَا قَدْ حُرِّمَتْ، وَحُرِّمَ ثَمَنُهَا ". فَانْطَلَقَ كَيْسَانُ إِلَى الزِّقَاقِ فَأَخَذَ بِأَرْجُلِهَا، ثُمَّ أَهْرَاقَهَا[1] (٢)

ترجمہ:"اے کیسان! آپ کے جانے کے بعد شراب حرام ہوئی، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اسے بیچ سکتاہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ شراب اوراس کی قیمت دونوں حرام ہیں۔ چنانچہ حضرت کیسان رضی اللہ ان مشکوں کی طرح گیااوران کے کونوں سے پکڑ کران کو بہادیا"۔

" صحیح بخاری" میں ہے:

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الكَلْبِ، وَمَهْرِ البَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الكَاهِنِ[2]»

ترجمہ:"حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے آپ کاارشاد گرامی نقل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت،زانیہ کی اجرت اورکاہن کے اجرت سے منع فرمایاہے"۔

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے؛

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ} [النساء: ٢٩]

ترجمہ:"اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی خوشی سے تجارت ہو"۔

---

[1] مسند أحمد ط الرسالة ،حديث كيسان،رقم الحديث: ١٨٩٦٠ ،ج٣١ص ٢٩١

[2] صحيح البخاري، كتاب البيوع ،باب ثمن الكلب ،ج٣ص٨٤

اس آیت میں "باطل" طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانے سے ممانعت فرمائی گئی ہے، اکثر مفسرین کرام کی تصریح کے مطابق اس میں لین دین کے وہ تمام طریقے داخل ہیں جو شرعاً ناجائز اور ممنوع ہیں۔امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يعني بقوله جل ثناؤه: "يا أيها الذين آمنوا"، صدّقوا الله ورسوله ="لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل"، يقول: لا يأكل بعضكم أموالَ بعض بما حرّمَ عليه، من الربا والقمار وغير ذلك من الأمور التي نهاكم الله عنها[1]

ترجمہ:"یعنی اے مسلمانوں ایک دوسرے کے مال ناجائز اور حرام طریقے سے مثلا سود، جوا، یا اس کے علاوہ دیگر ممنوع طریقوں سے مت کھاؤ"۔

حضرات فقہائے کرام نے بھی ان وجوہات کی بناء پر حرام چیز کے عوض لینے کو حرام قرار دیا ہے، امام صدر الشہید فرماتے ہیں:

وأما مهر الزانية فلأن النبي صلىٰ الله عليه وسلم «نهىٰ عن مهر البغي». ولأن الزنا حرام، **والاعتياض عن الحرام حرام.**[2]

ترجمہ:"زانیہ کی اجرت حرام ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس سے ممانعت فرمائی ہے، نیز زنا حرام ہے تو حرام کام کا عوض اور بدلہ بھی حرام ہے"۔

---

[1] تفسير الطبري = جامع البيان ت شاكر (٨/ ٢١٦)

[2] شرح «أدب القاضي للخصاف» للصدر الشهيد ت سرحان الباب الرابع عشر في الرشوة في الحكم ،ج٢ص ٤٢

ترجمہ:"

خبث کی قسمیں

فقہی کتابوں میں عام طور پر خبث کی دو قسمیں ذکر کی جاتی ہیں:

الف: سبب کی بنیاد پر مال کا خبیث ہونا: اس کا حاصل یہ ہے کہ جس سبب کی وجہ سے کوئی مال ملکیت میں آتا ہے، وہ سبب شرعی نقطہ نظر سے درست نہ ہو بلکہ اس میں کوئی شرعی سقم موجود ہو۔ اس کے تحت وہ تمام چیزیں داخل ہو جاتی ہیں جو درج بالا تحریر کے قسم دوم کے ضمن میں مذکور ہیں۔

ب: عوض کی بنیاد پر خبیث ہونا: نفع ہمیشہ تجارت اور باہمی لین دین کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے جہاں طرفین کچھ چیز دیتے ہیں اور دوسری لیتے ہیں، اب بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک طرف سے ملنے والی چیز حرام ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے اس کے عوض میں بھی حرمت پیدا ہو جاتی ہے۔

علامہ کاشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق

علامہ کاشمیری رحمہ اللہ نے حنفیہ کے نزدیک خبث کی تین قسمیں ذکر فرمائی ہیں:

۱: خبث کسب۔ مثال کے طور پر دار الحرب میں کوئی مسلمان شراب یا خنزیر کا عوض وصول کرے۔

۲: خبث سبب۔ مثال کے طور پر چوری، ڈاکہ اور غصب۔ ان ذرائع سے جو مال حاصل ہاتھ آجائے، اس میں سبب کی وجہ سے خبث پایا جاتا ہے۔

۳:خبث عوض۔مثال کے طور پر دو افراد دار الاسلام میں شراب یا خنزیر کا باہمی اتفاق سے تبادلہ کریں۔[1]

لیکن غور کیا جائے تو یہ تینوں قسمیں درج بالا تقسیم کے تحت داخل ہو جاتی ہیں،اس لئے تیسری قسم بنانا ضروری معلوم نہیں ہوتا۔

پہلے سببِ خبث کی تطبیقی صورتیں

مال کے خبیث ہونے کا پہلا سبب"مالک کی رضامندی کا نہ ہونا" ہے،غور کیا جائے تو اس کی درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱:چوری۔کسی کی اجازت واطلاع کے بغیر اس کا مال اٹھایا جائے یا استعمال کیا جائے۔

۲:غصب وڈکیتی۔مالک کی رضامندی کے بغیر اس کے دیکھا دیکھی اس کا مال اپنی تحویل میں لے لیا جائے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں:ایک قسم تو معروف ہے جس کو عام طور پر ڈکیتی اور ڈاکہ ڈالنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسری قسم یہ ہے کہ مالک کی حقیقی رضامندی کے بغیر شرما شرمی میں اس کا مال حاصل کر لیا جائے۔اس دوسری صورت میں سرسری طور پر دیکھا جائے تو دینے والا اپنے اختیار و رضامندی سے مال دے رہا ہوتا ہے لیکن حقیقتِ حال یہ ہوتی ہے کہ دلی مرضی شامل نہیں ہوتی ،محض لوگوں کے شرم دلانے وغیرہ کی وجہ سے دے رہا ہوتا ہے،ظاہر میں تو کوئی

---

[1] العرف الشذي شرح سنن الترمذي – باب ما جاء لا تفادى جيفة الأسير (۳ / ۲٤٥)

اسکو مجبور نہیں کر رہاہو تا لیکن اندر اندر میں وہ اپنے آپ کو ایک گونا مجبور تصور کر رہاہو تا ہے۔اس کو عام طور پر غصب یاناجائز تصور نہیں کیاجاتا اور زیادہ بچنے کا اہتمام بھی نہیں کیاجاتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دلی رضامندی نہ ہونے میں یہ غصب کی پہلی قسم کی طرح ہے اور درج بالا سطور میں صراحت کے ساتھ یہ روایت ذکر کی گئی ہے کہ انسان کامال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

۳:رشوت۔کسی ناجائز مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کچھ دینا رشوت ہے ،اسی طرح کسی کو اپنے فرض منصبی بجالانے پر کچھ دینا بھی رشوت ہی ہے۔ یہ رشوت بھی عام طور پر دلی رضامندی کے بغیر دی جاتی ہے۔

دوسرے سببِ خبث کی تطبیقی صورتیں

جہاں تک دوسرا سبب ہے یعنی مالک دینے پر رضامند تو ہو لیکن لین دین کا طریقہ شرعاًدرست نہ ہو تواس کی درج ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱:عقد باطل۔

۲:عقد فاسد۔ان کے تعارف و پہچان کا انسب اور منضبط طریقہ وہی ہے جو علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے اختیار فرمایاہے کہ کسی معاملہ کے شرعاًجائز، معتبر،نافذ اور لازم ہونے کا مفہوم الگ الگ ہے اوراس کی شرائط بھی مختلف ہیں،اب جس معاملہ میں عقد کے انعقاد کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو ،وہ عقد باطل کہلاتا ہے اور جس معاملہ میں صحت کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو ،وہ عقد فاسد شمار ہوتا ہے۔

۳: عقد مکروہ۔ انعقاد اور صحت کی شرائط کے علاوہ اگر کسی خارجی عنصر کی وجہ سے عقد میں خرابی آئے، مثال کے طور پر جس وقت انجام دیا جارہا ہو، وہ وقت عقد شرعی نقطہ نظر سے درست نہ ہو، یا اس معاملہ کی وجہ سے کسی فرد یا معاشرے کو ضرر کا سامنا کرنا پڑے یا بھاؤ تاؤ میں غلط بیانی اور دھوکہ دہی سے کام لیا جائے، تو اس سے عقد مکروہ قرار پاتا ہے۔

ناجائز عقود کے نفع / عوض کا حکم

عقد باطل کے ذریعے جو چیز ہاتھ آئے، اس سے حاصل ہونے والا نفع حرام ہے، چاہے خریدار خریدے ہوئے سودے پر آگے نفع کمائے یا فروخت کنندہ حاصل کردہ قیمت پر کمائے، دونوں کے لئے حاصل ہونے والا نفع حلال نہیں ہے، جبکہ بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ: خریدار نے اس عقد کے ذریعے جو سودا خریدا، اس پر حاصل ہونے والا نفع حرام ہے اور اگر فروخت کنندہ حاصل ہونے والی قیمت پر کچھ کمائے تو وہ حرام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر زید نے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) روپے پر بکر سے کوئی جانور خریدا، رقم بھی دیدی گئی اور جانور بھی زید نے وصول کرلیا، اس کے بعد زید نے جانور آگے چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) روپے میں بیچ دیا، دس ہزار روپے نفع حاصل ہوا اور بکر نے بھی حاصل کردہ چیز کو بیچ کر کچھ نفع کمایا، تو اگر دونوں کے درمیان بیع باطل ہوا تھا تو دونوں کے لئے یہ نفع حرام ہے اور اگر دونوں کے درمیان باہم تبادلہ بیع فاسد کا تھا تو اس صورت میں زید کے لئے تو یہ نفع حلال نہیں ہے، بکر کے لئے حلال ہے۔ "تبیین الحقائق" میں ہے:

(وطاب للبائع ما ربح لا للمشتري) أي لو اشترى شيئا يتعين بالتعيين بما لا يتعين كالدراهم والدنانير وربح كل واحد منهما طاب للبائع ما ربح في الثمن ولم يطب للمشتري ما ربح في المبيع؛ لأن العقد يتعلق بما يتعين فيتمكن الخبث فيه ولا يتعلق العقد الثاني بما لا يتعين بل يجب مثله في الذمة فلم يتمكن الخبث فيه فلا يجب التصدق به هذا في الخبث لفساد الملك وإن كان الخبث لعدم الملك كالمغصوب والأمانات إذا خان فيها المؤتمن فإنه يشمل ما يتعين وما لا يتعين عند أبي حنيفة ومحمد لتعلق العقد بملك الغير فيما يتعين حقيقة وفيما لا يتعين شبهة من حيث إنه يتعلق بملك الغير سلامة المبيع وتقرير الثمن وعند فساد الملك تنقلب الحقيقة شبهة فتعتبر والشبهة تنزل إلى شبهة الشبهة فلا تعتبر قضاء فالحاصل أن الأموال نوعان ما يتعين بالعقد وما لا يتعين والحرمة نوعان حرمة لعدم الملك وحرمة لفساده وقد ذكرناهما فتأمله[1]

ترجمہ:"(بائع کے لیے نفع حلال ہے مشتری کے لیے نہیں) یعنی اگر کوئی کسی متعین چیز کو نا قابل تعین چیز کے بدلے خریدے مثلاً نقد رقم کے بدلے اور دونوں اس سودا میں کچھ نفع کمائیں تو فروخت کنندہ کی کمائی حلال ہے اور خریدار نے خریدی چیز کے ذریعے جو نفع کمایا ہو وہ حرام ہے۔وجہ اس کی یہ ہے کہ دوسرے عقد کا تعلق اس

[1] تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشلبي كتاب البيوع باب البيع الفاسد ،ج٤ص ٦٦

متعین چیز کے ساتھ تھاتواس میں خبث پختہ ہوا جب کہ بائع کے حق میں عقد ثانی کا تعلق اس متعین رقم کے ساتھ نہیں ہوتا جو متعین نہیں ہوتی بلکہ مشتری کے ذمے اس قدر رقم واجب ہے تو متعین نہ ہونے کی وجہ سے حرمت اس میں پکا نہیں ہوا لہذا حاصل شدہ نفع صدقہ کرنا بھی واجب نہیں۔ یہ مسئلہ تب ہے جب حرمت مال میں ملکیت میں فساد کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، اگر حرمت ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے ہو جیسے غصب شدہ چیز یا امانت میں خیانت کرنا تو اس صورت میں متعین اور غیر متعین سب صورتوں میں حضرات طرفین کے نزدیک حاصل شدہ نفع حرام ہے، کیونکہ یہاں یہاں معاملہ کسی اور کی چیز پہ ہوا ہے۔ اس معاملہ جو متعین چیز ہوتا ہے اس کا حکم تو بالکل واضح ہے اور غیر متعین ہونے کی صورت میں متعین ہونے کا شبہ ہے، کیونکہ کسی اور کی ملکیت کی بدولت تو مبیع پورا کا پورا ہاتھ آئی، اور قیمت مد مقابل پر واجب ہوا۔ جب ملکیت فاسد ہو تو پھر حقیقۃ متعین چیز شبہ کی شکل اختیار کرتی ہے اور حرام کے شبہ کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے اور شبہ کم ہو کر اس شبہ کا شائبہ ہونے لگتا ہے جس کا شرعا اعتبار نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ مال کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہے جو معاملہ میں متعین ہوتا ہے دوسرا وہ ہے جو متعین نہیں ہوتا۔ نیز حرمت بھی دو طرح کا ہے ایک قسم ملکیت نہ ہونے کیوجہ سے دوم ناقص ملکیت کی وجہ سے"۔

علامہ ابن کمال پاشا رحمہ اللہ فرماتے ہیں؛

والأصـــل فيه أن المال نوعان نوع لا يتعين في العقود كالدراهم والدنانير، ونوع يتعين كالعروض، والخبث أيضـا نوعان أحدهما باعتبار عدم الملك، والثاني لفساد الملك فالخبث باعتبار عدم الملك كما في المغصوب يوجب حقيقة الخبث فيما يتعين، وشبهة الخبث فيما لا يتعين عند أبي حنيفة ومحمد لأن ما لا يتعين بالتعيين لا يتعلق

العقد به بل يتعلق بها في الذمة، وإنما هو وسيلة من وجه فيوجب شبهة الخبث، والشبهة معتبرة فلا جرم انعدم الطيب لعدم الملك في المالين جميعا، والخبث لفساد الملك يورث الشبهة فيما يتعين لأن الخبث لفساد الملك أدنى من الخبث لعدم الملك، ويورث شبهة الشبهة فيما لا يتعين، وشبهة الشبهة ليست بمعتبرة فلهذا تصدق الذي أخذ المبيع بالربح، ولم يتصدق الذي أخذ الثمن به اه-.[١]

ترجمہ:"مال کی دو قسمیں ہیں :جو معاملات میں متعین نہ ہوتا ہو جیسا کہ نقدی ۔دوسرا وہ ہے جو متعین ہوتا ہے مثلاسامان۔ حرمت کی بھی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے، دوسری قسم فساد ملک کی وجہ سے۔ملکیت نہ ہونے کی صورت میں قابل تعین اشیاء میں حضرات طرفین کے نزدیک حقیقۃ حرمت پیدا ہوتی ہے اور نا قابل تعین اشیاء میں حرمت کا شبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ نا قابل تعین اشیاء میں عقد کا تعلق اس چیز کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ عاقد کے ذمے ہوتا ہے البتہ وہ چیز (نقدی) اسے حاصل کرنے کا ایک وسیلہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے حرمت کا شائبہ پیدا ہوتا ہے اور حرمت کا شائبہ بھی قابل لحاظ ہے، لہذا اس کی وجہ دونوں قسم اموال میں ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے حلت ختم ہو گی۔ جہاں حرمت کی وجہ فساد ملک ہو تو قابل تعین چیزوں میں نفع کمانے سے حرمت کا شائبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ فساد ملک کی وجہ سے پیدا ہونے والی حرمت ملکیت نہ ہونے کی صورت میں پائی جانے والی حرمت سے کم تر ہوتا ہے اور نا قابل تعین چیزوں میں حرام کے شبہہ کا شائبہ

---

[١] منحة الخالق على البحر الرائق،كتاب البيوع، باب البيع الفاسد ،ج٦ص ١٠٦

ہوتا ہے جس کا شرعا اعتبار نہیں۔اس وجہ سے جس نے مبیع میں نفع کمایا ہو اس پر وہ کمائی صدقہ کرنا واجب ہے ثمن والے پر نہیں"۔

بیع مکروہ ہونے کے بنیادی عناصر

عام طور پر چار بنیادی اسباب کی وجہ سے بیع میں کراہت کا پہلو پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد بیع کو مکروہ کہا جاتا ہے، وہ چار اسباب درج ذیل ہیں:

الف:ضرر۔ب:غرر۔ج:(عبادات (واجبات)میں) خلل۔د:(شرعی مفاسد ومنکرات کی طرف پہنچانے کا)ذریعہ ہونا۔

حضرات فقہاء کرام نے خرید وفروخت کی جن جن اقسام کو مکروہ قرار دیاہے، وہ مجموعی طور پر ان اسباب کے ضمن میں داخل ہو جاتی ہیں۔

بیع مکروہ میں نفع کا حکم

اب سوال یہ ہے کہ ان جیسے عقود کے ذریعے جو نفع حاصل ہو جائے؟اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟اوران عقود کے ذریعے جو چیز ملکیت میں آجائے، اس پر آگے نفع کمانے کا کیا حکم ہے؟

چند کتابوں میں تلاش کے باوجود اس کا کوئی واضح اور صریح جزئیہ نہیں مل سکا، البتہ بیع باطل اور فاسد کے نفع کے بارے میں حضرات فقہائے کرام نے جو تفصیل ذکر فرمائی ہیں(اور جو درج بالا عنوان کے تحت مذکور بھی ہے)اس کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے حاصل ہونے والا نفع حرام یا خبیث نہ ہو، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان صورتوں میں نفع خبیث ہونے کی اصل وجہ یہی تھی کہ جس چیز پر نفع کمایا جاتا تھا، وہ یا تو ملک میں ہی نہیں ہوتا یا ملکیت تو اس پر حاصل ہوتی

ہے لیکن فاسد ہوتی ہے، اس "عدم ملک" یا "فساد ملک" کی وجہ سے اگلے عقد میں حاصل ہونے والے نفع کو خبیث قرار دیا ہے جبکہ "بیع مکروہ" کے ذریعے جو چیز ہاتھ آتی ہے، اس میں یہ دونوں عنصر موجود نہیں ہیں، اس لئے حاصل شدہ نفع کو بھی حرام قرار دینا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کتابوں میں اس کے فسخ کرنے کو بھی ضروری قرار نہیں دیا، اگرچہ متاخر فقہاء کرام نے اس کو قضاء پر محمول فرمایا اور دیانۃً اس کے فسخ کرنے کو ضروری قرار دیا۔ "در مختار" میں ہے:

اعلم أن فسخ المكروه واجب على كل واحد منهما أيضا بحر وغيره لرفع الإثم مجمع.

ترجمہ: "گناہ ختم کرنے کے لیے فریقین کو مکروہ معاملہ ختم کرنا بھی واجب ہے"۔

اس کے تحت علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(قوله أيضا) أي كما في البيع الفاسد، وقدمنا عن الدرر أنه لا يجب فسخه، وما ذكره الشارح عزاه في الفتح أول باب الإقالة إلى النهاية ثم قال وتبعه غيره وهو حق؛ لأن رفع المعصية واجب بقدر الإمكان اهـ. قلت: ويمكن التوفيق بوجوبه عليهما ديانة. بخلاف البيع الفاسد، فإنهما إذا أصرا عليه يفسخه القاضي جبرا عليهما. ووجهه أن البيع هنا صحيح ويملك قبل القبض ويجب فيه الثمن لا القيمة، فلا يلي القاضي فسخه لحصول الملك الصحيح[1]

---

[1] الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب البيوع ،باب البيع الفاسد ، ج٥ص ١٠٥

ترجمہ:"بیع فاسد کی طرح (گناہ ختم کرنے کے لیے فریقین کو مکروہ معاملہ ختم کرنا بھی واجب ہے) درر نامی کتاب میں ہے کہ مکروہ معاملہ فسخ کرناواجب نہیں۔شارح نے یہاں جوبات ذکر کی ہے اسے فتح القدیر میں بھی نہایہ کے حوالہ سے نقل کیاہے اور دیگر حضرات نے اسے تسلیم کیاہے اور یہی بات درست بھی ہے ،کیونکہ حتی الامکان گناہ کا معاملہ ختم کرناواجب ہے۔میرے نزدیک یہ تطبیق ممکن ہے کہ فریقین پر دیانۃ اس معاملہ کو فسخ کرناواجب قرار دیاجائے۔باقی بیع فاسد تووہ قضاء بھی فسخ کرناواجب ہے کیونکہ اگر عاقدین فسخ نہ کرنے پر اصرار کریں تو قاضی انہیں مجبور بھی کر سکتاہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں معاملہ درست ہے کیونکہ قبضہ سے پہلے مالک ہونا، قیمت کی جگہ ثمن واجب ہونایہ اس معاملہ کے صحیح ہونے کی دلیل ہے تو قاضی کو صحیح معاملہ فسخ کرنے کا حق نہیں"۔

لیکن غور کیاجائے توبظاہر ایسامعلوم ہو تاہے کہ یہاں (عقد مکروہ میں) بھی کچھ نہ کچھ خبث پیداہو تاہے کیونکہ اس چیز کے ملک میں آنے کا سبب یہی عقد مکروہ ہی توہے، سببِ حرمت کی حرمت جس طرح نفع کی حرمت وخبث کا متقاضی ہے یوں ہی سبب کی کراہت نفع کے کراہت کا متقاضی ہونا چاہئے۔حضرات فقہائے کرام نے غصب وغیرہ متعدد ابواب میں کسی چیز کے نفع حرام ہونے کی وجہ یہی تحریر فرمائی ہے کہ چونکہ سبب خبیث کے ذریعے یہ چیز ملکیت میں آئی ہے،اس لئے اس کا نفع بھی حلال نہیں ہے۔جن عبارات سے معلوم ہو تاہے کہ "بیع مکروہ کے ذریعے حاصل ہونے والا نفع خبیث نہیں ہے" وہ بظاہر اس پر محمول ہے کہ اس میں بیع باطل اور فاسد کی طرح کاخبث پیدانہیں ہو تا۔

مفید قرینہ

اس کا ایک واضح سا قرینہ یہ بھی ہے کہ کراہت کے اسباب میں سے ایک سبب غرر بھی ہے کہ فروخت کنندہ غلط بیانی اور دھوکہ بازی سے کام لے کر کسی کے ہاتھ کچھ فروخت کر دے، اس صورت میں صدقہ کر دینے کو ضروری قرار دیا گیاہے اورامام سرخسی رحمہ اللہ نے ایک روایت سے اس پر استدلال فرمایاہے چنانچہ "مبسوط" میں، اس مسئلہ کے ضمن میں کہ اگر مودَع ودیعت بیچ کر نفع کمائے تو اس کا صدقہ کر دیناضروری ہے، فرماتے ہے:

ولأن المودع عند البيع يخبر المشتري أنه يبيع ملكه وحقه، وهو كاذب في ذلك، والكذب في التجارة يوجب الصدقة؛ بدليل حديث قيس بن عروة الكناني قال: «كنا نتبايع في الأسواق بالأوساق ونسمي أنفسنا السماسرة، فدخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم وسمانا بأحسن الأسماء وقال: يا معشر التجار، إن تجارتكم هذه يحضرها اللغو والكذب؛ فشوبوها بالصدقة». فعملنا بالحديث في إيجاب التصدق بالفضل.[1]

ترجمہ: "امانت دار چیز فروخت کرتے وقت خریدار کو یہ باور کراتاہے کہ وہ اپنی ملکیت اور چیز فروخت کرتاہے جبکہ وہ اس معاملہ میں جھوٹا ہوتاہے جب کہ تجارتی معاملات میں جھوٹ بولنے کی وجہ سے صدقہ واجب ہوتاہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم ایک خاص قسم پیمانوں کے ذریعے بازاروں میں

---

[1] المبسوط للسرخسي كتاب الوديعة،ج ١١ص ١١٢

خرید و فروخت کر کے خود کو دلال کہتے، آپ ﷺ ہمارے پاس آکر ہمارا اچھا نام رکھ کر فرمانے لگے: اے تاجروں کی جماعت! آپ کے اس تجارت میں فضول باتیں اور جھوٹ کی آمیزش ہو سکتی ہے تم ان معاملات میں صدقہ ملا لیا کرو۔ چنانچہ ہم نے اس حدیث کی بنیاد پر نفع کو صدقہ کرنا واجب قرار دیا ہے"۔

کتب حدیث میں یہ روایت الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ منقول ہے، سنن ابی داؤد میں ہے:

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي غَرَزَةَ، قَالَ: كُنَّا فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُسَمَّى السَّمَاسِرَةَ فَمَرَّ بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَّانَا بِاسْمٍ هُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ، فَقَالَ: «يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ، إِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ، فَشُوبُوهُ بِالصَّدَقَةِ[1]»،

ترجمہ: "حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ کے زمانے میں ہم تاجروں کو دلال کہا جاتا تھا، تو نبی کریم ﷺ ہمارے پاس سے گزرے اور ہمیں اس سے بہتر نام دیا اور فرمایا: اے تاجروں کی جماعت! خرید و فروخت اور لین دین میں بہت سی بے جا باتیں اور قسمیں بھی کھائی جاتی ہیں تو اس میں صدقہ ملا لیا کرو"۔

"سنن ابن ماجہ" میں ہے:

كُنَّا نُسَمَّى فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمَاسِرَةَ، فَمَرَّ بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمَّانَا بِاسْمٍ هُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ،

---

[1] سنن أبي داود، كتاب البيوع، باب في التجارة يُخالطها الحلِف واللّغو، رقم الحديث: ٣٣٢٦، ج ٣/ ٢٤٢)

فَقَالَ: «يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ إِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ الْحَلِفُ وَاللَّغْوُ، فَشُوبُوهُ بِالصَّدَقَةِ[١]»

ترجمہ: "آپ ﷺ کے زمانے میں ہم تاجروں کو دلال کہا جاتا تھا، تو نبی کریم ﷺ ہمارے پاس سے گزرے اور ہمیں اس سے بہتر نام دیا اور فرمایا: اے تاجروں کی جماعت! خرید و فروخت اور لین دین میں بہت سی بے جا باتیں اور قسمیں بھی کھائی جاتی ہیں تو اس میں صدقہ ملا لیا کرو"۔

"سنن ترمذی" میں ہے:

عن قيس بن أبي غرزة، قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نسمى السماسرة، فقال: يا معشر التجار، إن الشيطان، والإثم يحضران البيع، فشوبوا بيعكم بالصدقة[٢].

ترجمہ: "حضرت قیس رضی اللہ عنہ س مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ ہمارے پاس سے گزرے اور ہمیں دلال کہا جاتا تھا آپ ﷺ نے فرمایا: اے تاجروں کی جماعت! خرید و فروخت اور لین دین میں شیطان اور گناہ کی باتیں ہوتی ہیں تو اپنے اس معاملہ میں میں صدقہ ملا لیا کرو"۔

"سنن نسائی" میں ہے:

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي غَرَزَةَ، قَالَ: كُنَّا نُسَمَّى السَّمَاسِرَةَ، فَأَتَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَبِيعُ، فَسَمَّانَا بِاسْمٍ هُوَ خَيْرٌ مِنَ اسْمِنَا

---

[١] سنن ابن ماجه أبواب التجارات ،باب التوقي في التجارة ،ج٢ص ٧٢٦

[٢] سنن الترمذي ت بشار أبواب البيوع باب ما جاء في التجار وتسمية النبي صلى الله عليه وسلم إياهم،ج ٢ص ٥٠٥

فَقَالَ: «يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ، إِنَّ هَذَا الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ الْحَلِفُ وَالْكَذِبُ، فَشُوبُوا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ[١]»

ترجمہ: "حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ کے زمانے میں ہم تاجروں کو دلال کہاجاتا تھا، نبی کریم ﷺ ہمارے پاس سے گزرے اور ہم خریدوفروخت میں مصروف تھے، آپ ﷺ نے ہمیں اس سے بہتر نام دیااور فرمایا: اے تاجروں کی جماعت !خریدوفروخت اورلین دین میں جھوٹ اور قسمیں کھائی جاتی ہیں تو اپنے اس معاملہ میں صدقہ ملالیا کرو"۔

"سنن نسائی" ہی میں ایک دوسرے طریق کے ساتھ اس طرح منقول ہے:

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي غَرَزَةَ، قَالَ: أَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَحْنُ فِي السُّوقِ، فَقَالَ: «إِنَّ هَذِهِ السُّوقَ يُخَالِطُهَا اللَّغْوُ وَالْكَذِبُ، فَشُوبُوهَا بِالصَّدَقَةِ[٢]»

ترجمہ: "حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ہم خریدوفروخت میں مصروف تھے کہ آپ ﷺ ہمارے پاس بازار تشریف لائے اور فرمایا کہ: بے شک اس بازار میں بے جاباتیں اور جھوٹ بولا جاتا ہے تم ان معاملات میں صدقہ ملالیا کرو"۔

ان مختلف طرق کو دیکھتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تجارت میں چونکہ بیہودہ بات، گناہ، بے جاقسم اور غلط بیانی کی نوبت آہی جاتی ہے، اس لئے ساتھ ساتھ

---

[١] سنن النسائي كتاب الأيمان والنذور، في الحلف والكذب لمن لم يعتقد اليمين بقلبه ،ج٧ص ١٤

[٢] سنن النسائي كتاب الأيمان والنذور، في اللغو والكذب،ج٧ص١٥

کچھ صدقہ کرتے رہنا ضروری ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو "بیع مکروہ" کی تمام صورتوں میں کسی نہ کسی شکل میں گناہ موجود ہوتا ہے، اس لئے اس صورت میں بھی تصدق واجب ہے۔ یاد رہے کہ یہاں وجوب تصدق کا حکم کوئی امر غیر معقول نہیں ہے جس سے یہ استدلال کیا جائے کہ وجوب تصدق سے نفع کا حرام ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ حدیث میں "فَشُوبُو" کا لفظ فرمایا گیا ہے، جس میں فاء لفظ کے ذریعے اس حکم کو پہلی بات پر متفرع فرمایا جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بات اس حکم کے لئے علت کی حیثیت رکھتی ہے، جیسا کہ کوئی اردو میں کہے کہ چونکہ آپ نے غلط بیانی سے کام لیا ہے، اس لئے آپ یہ بوجھ برداشت کرلے تو اس بوجھ کے برداشت کرنے کا بنیادی سبب وہی غلط بیانی کا جرم ہی ہے۔

اجارہ فاسدہ / باطلہ میں نفع کا حکم

عقد باطل اور فاسد جس طرح بیوعات میں پائے جاتے ہیں، یوں ہی اجارہ بھی کبھی باطل اور کبھی فاسد ہوسکتا ہے۔ فقہی کتابوں میں ذکر ہے کہ اجارہ فاسد بھی ہو، تو بھی اجرت حرام نہیں ہوتی۔ "شامی" میں ہے:

(قوله وجوب أجر المثل) أي أجر شخص مماثل له في ذلك العمل، والاعتبار فيه لزمان الاستئجار ومكانه من جنس الدراهم والدنانير لا من جنس المسمىٰ لو كان غيرهما، ولو اختلف أجر المثل بين الناس فالوسط والأجر يطيب وإن كان السبب حراما كما في المنية قهستاني، ونقل في المنح أن شمس الأئمة الحلواني قال تطيب

الأجرة في الأجرة الفاسدة إذا كان أجر المثل، وذكر في المسألة قولين وأحدهما أصح فراجع نسخة صحيحة[1].

ترجمہ: "اجر مثل سے مراد یہ ہے کہ اس جیسے کام میں اس جیسے شخص کی مزدوری (کتنی ہوتی ہے) اجر مثل میں مزدوری کے وقت اور جگہ اور نقدی کا اعتبار ہوتا ہے لہذا اگر اجرت نقد رقم کے علاوہ کوئی اور چیز ہو تو اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اگر کہیں لوگوں میں اجر مثل مختلف ہو تو پھر متوسط معتبر ہو گا۔ قنیہ میں ہے کہ سبب حرام ہونے کے باوجود بھی اجرت حلال ہو گی۔ شمس الائمہ حلوانیؒ سے منقول ہے کہ اجارہ فاسدہ میں بھی اجر مثل کے بقدر اجرت حلال ہو گی۔ اس مسئلہ میں دو قول نقل کیے ہیں ان میں سے ایک درست ہے"۔

اجرت اور نفع میں فرق

یاد رہے کہ اجرت اور نفع میں فرق ہے، اجارہ فاسد میں اجرت حرام نہیں ہے، اس میں اجرت مثل لازم ہوتی ہے جو اس منفعت کی اپنی اصل اور واقعی اجرت ہے، اس کا وصول کرنا گویا ایک طرح اپنی منفعت کو وصول کرنا ہے اور اس میں عقد کا بھی کچھ زیادہ دخل نہیں ہے، اس لئے وہ تو حرام نہیں ہو گا تاہم نفع حلال نہیں ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرات فقہائے کرام نے "مزارعت" کے باب میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ مزارعت فاسد بھی ہو تو اگر مالک زمین کی طرف سے بیج شامل کیا گیا تھا تو اس کے لئے سارا غلہ حلال ہے کیونکہ وہ شرط یا عقد کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے غلہ کا مستحق بنتا ہے کہ اس کے بیج سے یہ سارا کچھ

---

[1] الدر المختار وحاشية ابن عابدين كتاب الإجارة باب الإجارة الفاسدة ،ج٦ص ٤٥

حاصل ہوا ہے۔ مثال کے طور پر زید نے اجارہ فاسد پر مکان دیا جس کی اجرت مثل ماہانہ دس ہزار روپے ہیں لیکن آپس میں تیرہ ہزار روپے ماہانہ اجرت طے ہوئی، اب دس ہزار کی حد تک اجرت تو حرام نہیں ہے اور زید اس کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے تاہم مزید تین ہزار روپے بظاہر حلال نہیں ہے کہ وہ اسی عقد ہی کے ذریعے ہاتھ آئے ہیں۔ "تحفہ الفقہاء" میں ہے:

وأصل آخر وهو أن صاحب البذر يستحق الخارج بسبب أنه نماء ملكه لا بالإجارة والذي ليس بصاحب البذر يستحق الخارج بالشرط وهو عقد المزارعة فإن العقد إذا كان صحيحا يجب البدل المسمىٰ وإذا كان فاسدا لا يستحق البدل المسمىٰ ولكن يجب أجر المثل بمقابلة منفعة الأرض أو منفعة العامل لأنه لم يرض ببذل المنفعة من غير عوض[١]

ترجمہ: "ضابطہ یہ ہے کہ بیج والا حاصل شدہ غلہ کا مستحق ہے، کیونکہ یہ اس کی ملکیت کی پیداوار ہے اجارہ کی وجہ سے وہ اس غلہ کا مستحق نہیں۔ کھیتی باڑی کے معاملہ میں بیج جس کا نہ ہو وہ شرط یعنی اس معاملہ کی وجہ سے حاصل شدہ فصل کا مستحق ہوتا ہے، چنانچہ اگر معاملہ درست ہو تو وہ اپنے مقررہ حصے کا مستحق ہوگا اگر معاملہ فاسد ہو تو مقررہ حصے کا حق دار نہ ہوگا۔ البتہ زمین کے فائدے کے بدلے یا مزدور کو مزدوری کے عوض عام اجرت ملے گی کیونکہ وہ بغیر اجرت کے فائدہ پہنچانے پر راضی نہیں"۔

---

[١] تحفة الفقهاء، كتاب المزارعة ،ج٣ص ٢٦٤

ناجائز ملازمت کی اجرت

اجارہ میں کبھی تو کوئی چیز کرایہ پر دی جاتی ہے اور کبھی کسی شخص کی خدمات معاوضہ پر حاصل کی جاتی ہیں،اس کو فقہی اصطلاح میں"اجارۃ الاشخاص" کہاجاتاہے ،پھر بعض اوقات جس شخص کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں،اس کے کام کے لئے کوئی وقت متعین کیاجاتاہےاوراس کو اسی خاص وقت دینے کاپابند بنایاجاتاہےاور کبھی وقت کی کوئی پابندی نہیں ہوتی،صرف مفوضہ کام طے ہوجاتاہے، پہلی قسم کو اجیر خاص اور دوسرے کو مشترک کہاجاتاہے، ہمارےہاں اس پہلی قسم کوعام طورپر ملازمت سے تعبیر کیاجاتاہے۔

حرام کاموں کا دائرہ بڑھنے اور دینی حس کی کمزور پڑنے کی وجہ سے دور حاضر میں ایسی ملازمتوں کی بہتات ہے جن میں کسی ناجائز عنصر کا ارتکاب کرنا پڑتاہے، کبھی تو ملازمت کا اصل مقصود ہی اس ناجائز عنصر کا انجام دیناہوتاہے اور کبھی وہ واحد مقصود تو نہیں ہوتا لیکن مجموعی طورپر ملازم کے ذمہ داریوں میں شامل ہوتاہے، سوال یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں حاصل ہونے والی اجرت حلال ہوگی یانہیں؟

اس کا اصولی جواب یہ معلوم ہوتاہے کہ معاملہ کی نوعیت کو دیکھاجائے،اگر معصیت کی بات عقد میں طے ہوئی ہو تو اجارہ باطلہ ہے جس میں اجرت کا کوئی استحقاق پیدانہیں ہوتااور اس بنیاد پر اگر اجرت کے عنوان سے کچھ دیاجائے تو بھی حلال نہیں ہے،اگر معصیت معقود علیہ نہ ہو بلکہ کسی اور وجہ سے معاملہ میں فساد پیداہواہو تووہ اجارہ فاسدہ ہے اوراس کا حکم پہلے ذکر کیاجاچکاہے۔

ملازمت میں معصیت بطورِ مقصود نہ ہو

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو حرام یاناجائز نہیں ہوتا لیکن کوئی ناجائز عنصر اس کے ساتھ ملاہوا ہوتا ہے، مثال کے طور پر ایسے تعلیمی اداروں میں تعلیم دینا جس میں مخلوط نظامِ تعلیم ہو، اب تقرری کے وقت تو معلم کے ساتھ پڑھائی کی بات کی جاتی ہے کہ وہ فلاں مضمون پڑھائے گا اور ضروری نہیں ہے کہ وہ مضمون ہی ایسا ہو جس کا پڑھنا پڑھانا ہی ناجائز ہو، لیکن جب ہر کلاس میں نامحرم مرد وعورت مخلوط طور پر بیٹھے ہوں اور معلم کے سامنے بھی کوئی حائل یا پردے کی شکل نہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ ناجائز ہے جس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اب اس صورت میں تنخواہ حلال ہو گی یا نہیں؟

اگر اصل مقصود (تعلیم) کو دیکھا جائے تو حاصل ہونے والی اجرت بالکل حلال ہونی چاہئے اور اگر اس کے عملی شکل کو ملحوظ رکھا جائے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اجارہ فاسدہ قرار دیا جائے اور وہاں جس طرح اجرت میں کچھ نہ کچھ خبث پیدا ہوتا ہے، وہی حکم یہاں بھی ہونا چاہئے! معاصر اہل علم میں سے اکثر پہلے پہلو کو غالب رکھتے ہیں، اس لئے وہ اس کی اجرت کو حلال قرار دیتے ہیں ، لیکن تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسرا پہلو بھی قابل لحاظ ہے، تقرری کے وقت اگر اس کا ذکر نہ بھی ہو تو بھی مخلوط ادارے میں تقرری کرنا ہی اس بات کو متضمن ہے اور "المعروف کالمشروط" کے بنیاد پر مخلوط ماحول میں شرعی حجاب کے بغیر پڑھانا بھی کسی درجے میں معقود علیہ ہے، جس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اگر تقرری کے بعد معلم اس طرح بے پردہ پڑھانے سے

انکار کرتا ہے تو اس کو یہ حق نہیں دیا جاتا اور ایسا کرنے کو معاہدہ سے روگردانی تصور کیا جاتا ہے ، اور یہ بات تو یقینی ہے کہ اجرت اسی پڑھانے کے عوض ملتی ہے، اس لئے ایسے عمل کی اجرت کو بالکلیہ حلال کہنا مشکل ہے۔ بیع مکروہ کے نفع کے حکم کے ضمن میں جو روایات ذکر کی گئیں ہیں، ان میں گناہ کا موقع آسکنے کی وجہ سے کچھ رقم صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور فقہائے کرام نے اس (امر) حکم کو وجوب کے لئے قرار دیا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہاں وہ حکم نہ دیا جائے جبکہ یہاں صرف موقع آسکنے ہی کی بات نہیں ہے بلکہ روزمرہ اس کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ جس طرح بدکاری کرنا گناہ ہے، یوں ہی نامحرم خاتون کو دیکھنا بھی گناہ ہی ہے اور فقہی نقطہ نظر سے اس بات کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے کہ یہاں حرام لعینہ اور حرام لغیرہ کا فرق کیا جائے اور اجرت کے حرام ہونے کو بدکاری کے ساتھ ہی محصور کر لیا جائے۔

ملازم کا کچھ کام حلال ہو اور کچھ حرام

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ملازمت میں مختلف کام کرنے پڑتے ہیں، ان میں سے کچھ حلال اور کچھ حرام ہوتے ہیں، مثال کے طور پر زید مغربی ممالک کے کسی سپر سٹور میں ملازم بننا چاہتا ہے، وہاں اس کو سٹور سے مختلف چیزوں کو اٹھا کر گاہک کو دینا ہوتا ہے، ان چیزوں میں جس طرح مختلف جائز چیزیں شامل ہوتی ہیں ،یوں ہی شراب وغیرہ بعض حرام چیزوں کا نقل وحمل بھی کرنا پڑتا ہے اور مہینہ کے آخر میں جو تنخواہ ملتی ہے، وہ سب مہینہ کے خدمت کی ملتی ہے جس میں کچھ

خدمت جائز اور کچھ ناجائز بھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسی ملازمتوں میں جو اجرت ملتی ہے، اس کا حکم کیا ہو گا؟

بعض اہل علم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں چونکہ ملازم اجیر خاص ہے جس کی کام تسلیم نفس ہے اور اس حد تک اس میں کوئی ممنوع چیز شامل نہیں ہے، اس لئے اجرت حلال ہے۔ لیکن یہ جواب بالکل درست معلوم نہیں ہوتا ، کیونکہ جب ملازم کو اجیر خاص مانا اور اس کی ذمہ داری یہی مقرر کی گئی کہ سٹور میں جس چیز کی بھی نقل و حمل کی ضرورت ہو گی، ملازم اس کا پابند ہو گا، تو اس کے ضمن میں ناجائز چیزوں کا نقل و حمل بھی عقد میں شامل ہو گیا اور فقہی حیثیت سے یہ ناجائز کام بھی " مستحق بالعقد" قرار پایا، لہٰذا اب جو اجرت ملتی ہے، اس میں اس ناجائز خدمت کا بھی حصہ ہو گا اور ظاہر ہے کہ ناجائز کام کا عوض حرام ہی ہوتا ہے۔

شرکت اور مضاربت فاسدہ کے نفع کا حکم

شرکت کا معاملہ اگر فاسد ہو جاتا ہے تو حاصل ہونے والا نفع سرمایہ کے بقدر تقسیم ہو گا، اگر اس سے زیادہ نفع طے کیا گیا ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے ۔ مضاربت فاسدہ کا معاملہ اجارہ فاسدہ کے حکم میں ہے، جہاں سارا نفع سرمایہ دار کا ہو گا اور مضارب کو اپنی محنت کرنے کی اجرت مثل دی جائے گی۔ دونوں صورتوں میں اس سے زیادہ جو نفع حاصل ہو گا، وہ حلال نہیں ہے۔

مزاعت فاسدہ کے نفع کا حکم

مزارعت کا معاملہ اگر فاسد ہوتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ بیج کس فریق کے ذمے طے کی گئی تھی:

الف:اگر بیج مالک زمین کی طرف سے شامل کی گئی تھی تو حاصل ہونے والا سارا غلہ اس کے لئے حلال ہے،دوسرے فریق کو اپنی محنت کی اجرت مثل دیناضروری ہے۔

ب:اگر بیج دوسرے فریق کی جانب سے شامل کی گئی ہو تو مالک زمین کو اپنے زمین کی اجرت مثل دیناضروری ہے،باقی غلہ اسی کا ہو گا،تاہم چونکہ یہ غلہ اس کی اپنی زمین سے حاصل نہیں ہوا بلکہ ایسی زمین سے نکلاہے جو ایک فاسد عقد کے ذریعے سے اس کے پاس آئی تھی،اس لئے اپنے بیج اور زمین کی اجرت مثل کے علاوہ جو کچھ غلہ باقی بچ جائے،وہ صدقہ کر دیناضروری ہے۔"تحفہ الفقہاء"میں ہے:

وإذا كان فاسدا لا يستحق البدل المسمى ولكن يجب أجر المثل بمقابلة منفعة الأرض أو منفعة العامل لأنه لم يرض ببذل المنفعة من غير عوض لكن عند محمد يجب أجر المثل بالغا ما بلغ وعند أبي يوسف مقدرا بقيمة الخارج المسمى ذكر الخلاف في كتاب الشركة ويكون الخارج كله لصاحب البذر لأنه نماء ملكه ثم إذا كان البذر من صاحب الأرض يكون الزرع كله له طيبا ولا يتصدق بشيء لأنه نماء ملكه وقد حصل في أرضه وإن كان البذر من العامل فإن الخارج بقدر بذره وبقدر ما غرم من أجر مثل الأرض والمؤن يطيب

له لأنه أدىٰ عوضه ويتصدق بالفضل علىٰ ذلك لأنه وإن تولد من بذره لكن في أرض غيره بعقد فاسد فأورث شبهة الخبث[1]

ترجمہ:" اگر کھیتی باڑی کا معاملہ فاسد ہو تو مقررہ حصے کا حق دار نہ ہو گا۔ البتہ زمین کے فائدے کے بدلے یا مزدور کو مزدوری کے عوض عام اجرت ملے گی، کیونکہ وہ بغیر اجرت کے فائدہ پہنچانے پر راضی نہیں۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مزدور کی جس قدر مزدوری بنتی ہے اس قدر دیناواجب ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ :حاصل شدہ غلہ میں اس کے مقررہ حصے کی قیمت کے بقدر اجرت ملے گی۔ یہ اختلاف کتاب الشرکۃ میں نقل ہے، باقی تمام غلہ بیج ڈالنے والے کا ہو گا کیونکہ یہ اس کی ملکیت کی پیداوار ہے۔ لہٰذا اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو تو حاصل شدہ تمام فصل (غلہ)اس کے لیے حلال ہے اور کچھ صدقہ کرنالازم نہیں، کیونکہ یہ اس کی ملکیت کی پیداوار ہے اور اس کی زمین میں اگی ہے۔ اگر بیج کسان کی طرف سے ہو تو پھر بیج اور زمین کے کرایہ کے بقدر حاصل شدہ غلہ اس کے لیے حلال ہے، کیونکہ وہ اس کا عوض دیتاہے باقی جو مقدار اس سے زائد ہوا سے صدقہ کرناضروری ہے کیونکہ اگرچہ وہ اس کے بیج سے حاصل ہوا ہے مگر کسی اور کی زمین میں ایک فاسد معاملہ کی بنیاد پر فصل اگانے کی وجہ سے اس میں حرام کا شبہ پیدا ہوا ہے (اس وجہ سے زائد مقدار صدقہ کرنالازم ہے)"۔

ناکارہ عبید الرحمن۔

۱۳ رجب ۴۴ھ

---

[1] تحفۃ الفقہاء، کتاب المزارعۃ، ج۳ ص ۲۶۵